اگر سُنت میں اختلاف ہو جائے تو وہ سُنت نہیں رہے گی

غامدی صاحب کے اصول کے تحت سنت ماخذ قانون نہیں رہا

غامدی صاحب کی تحقیق کے مطابق دین کے صرف دو ماخذ ہیں۔قرآن اور سُنت ......سُنت مقدم ہے قرآن موخر، سُنت ازل سے ہے جب کہ قرآن تو آخری کلام ہے۔غامدی صاحب نے سنت کے لیے یہ اصول مقرر فرمایا کہ سُنت میں اختلاف ممکن ہی نہیں ہے۔کیونکہ سُنت پر امّت کا اجماع ہے اور سُنت کا تواتر وتسلسل قرآن سے زیادہ مستحکم ہے کیونکہ سُنت قرآن کے مقابلے میں زیادہ بڑے اجماع سے منتقل ہو رہی ہے لہٰذا سُنت میں جیسے ہی اختلاف ہو جائے گا وہ چیز سُنت ثابتہ نہیں رہے گی۔لیکن غامدی صاحب نے اس خود ساختہ اصول کی نفی فرماتے ہوئے اب تک سُنت کی تعریف وتعین کے ضمن میں کئی موقف بدلے ہیں۔ غامدی صاحب کے مطابق پہلے سنتیں صرف چالیس تھیں ان میں داڑھی بھی شامل تھی پھر داڑھی فطرت ہوگئی سنتیں ۳۹ رہ گئیں، پہلے عورتوں کا ختنہ بھی سُنت میں شامل تھا پھر صرف مردوں کا ختنہ سُنت کے طور پر باقی رہ گیا۔ پہلے تمام سنتیں لازمی تھیں بعد میں بعض سنتیں ضروری، بعض لازمی بعض غیر ضروری غیر لازمی ہوگئیں۔ پہلے کم از کم دو کمروں کا مکان اور امام کا صاحب نصاب ہونا بھی سُنت ثابتہ تھا لیکن ۲۰۰۵ء میں سنتوں کی نئی فہرست سے یہ دونوں سنتیں بھی خارج ہوگئیں۔سنتوں کے اخذ وترک کے خود ساختہ اصولوں کا انجام یہی ہے کہ اب ان اصولوں کے تحت سُنت بحیثیت ماخذ دین باقی نہیں رہی، نعوذ باللہ۔لہٰذا غامدی صاحب کے طے شدہ اصول کے تحت ان کی بیان کردہ سنتیں اب سنتیں نہیں رہیں اور دین کا پہلا ماخذ سُنت جو قرآن پر مقدم ہے۔غامدی صاحب کے فلسفے کے تحت نابود ہوگیا۔دوسرے لفظوں میں جب سُنت ان کے وضع کردہ اصول دین کے تحت سُنت نہیں رہی تو دین کا پہلا ماخذ خود بخود کالعدم ہوگیا۔صاف صاف بات کی جائے تو اصلاً غامدی صاحب کے نزدیک اب دین کا ایک ہی ماخذ ہے وہ قرآن مجید ہے۔یہ بھی کب تک بحیثیت ماخذ باقی رہ سکے گا اس کے لیے غامدی صاحب کے ارتقاء تک انتظار فرمایے۔ساحل]

قرآن دین کی آخری کتاب ہے اس سے پہلے دنیا میں دین موجود تھا اور لوگوں کو معلوم تھا۔اب

ساحل اپریل ۲۰۰۷ء

سوچیے کہ آخری کتاب جو آئے گی تو کیا وہ دنیا میں پہلے دن سے آئے ہوئے دین کو بیان کرنا شروع کردے گی۔ظاہر ہے ایسا نہیں ہوسکتا۔عقل عام کہتی ہے کہ جو دین محفوظ ہے اس کی تصدیق کردے گی اس کی تفصیل بیان نہیں کرے گی اور اگر دین میں کوئی نئی بات کہنی ہے تو وہ کہہ دے گی۔مثلاً آج اگر اللہ تعالیٰ کی کوئی کتاب نازل ہو تو کیا وہ آپ کو یہ سکھائے گی کہ لوگو! نماز ایسے پڑھو عقل عام اس کا جواب نفی میں دے گی کیونکہ نماز تو پہلے سے دین کی حیثیت سے پڑھی جارہی ہے۔البتہ اس نماز کے اندر کوئی غلطی ہوگئی ہے کوئی خرابی ہوگئی ہے تو بس اس کی تصحیح کردے گی۔عقل عام یہی کہتی ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن مجید نے جو دین ہم کو دیا ہے وہ پہلی مرتبہ نہیں دیا بلکہ جو دین پہلے سے موجود تھا۔قرآن اس دین کا پہلی بار دینے والا نہیں ہے اس کا مجدد ہے اس دین کو قرآن نے زندہ کیا ہے، اس دین میں کوئی خرابی تھی تو اس کی اصلاح کی ہے۔مثال کے طور پر پانچ وقت نماز یہ بات قرآن اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ ہمیشہ سے دنیا میں ہے وہ سب لوگ نماز کو پڑھتے رہے جو اللہ کے دین کو ماننے والے ہیں۔حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت ابراہیمؑ سب نماز پڑھتے تھے۔حضرت ابوذر غفاری، اپنے ایمان لانے کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔یہ واقعہ مسند احمد کی مشہور روایت ہے۔وہ بتاتے ہیں کہ جب مکہ کے باہر آکر انھوں نے پڑاؤ ڈالا تو میرے بھائی مکہ گئے اور پہلی بار ان کو معلوم ہوا کہ ایک شخصیت نے یہاں نبوت کا دعویٰ کردیا ہے۔اس موقع پر حضرت ابوذر کا جملہ ہے کہ میں اس اطلاع سے تین سال پہلے سے نماز کا پابند ہوگیا تھا۔تاریخ کی کوئی کتاب اٹھا کر دیکھیے رسول اللہؐ سے بہت پہلے حضورؐ کے دادا قصی دارالندوہ میں جمعہ کے خطیب تھے اور خطبہ جمعہ رسالت مآبؐ کی آمد سے پہلے دیا کرتے تھے۔حج کے بارے میں تو گفتگو کی ضرورت ہی نہیں وہ حضور سے بھی صدیوں پہلے ہورہا تھا لوگ حج کرتے تھے اور حج کے وہی مناسک ادا کیے جاتے تھے جو لوگ آج بھی ادا کررہے ہیں۔زکوٰۃ تورات میں بھی موجود ہے اور بنیا سرائیل کے یہاں بھی زکوٰۃ دی جاتی تھی۔قرآن مجید نے آکر صلوٰۃ وزکوٰۃ حج وصوم کو متعارف نہیں کرایا۔قرآن میں ہے کہ روزے تم پر اسی طرح فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلوں پر...... اس کا مطلب یہ ہے کہ سارا دین پہلے سے موجود تھا۔پیغمبروں کے ذریعے دین دنیا کو مل چکا تھا۔قرآن نے اس دین پر عمل کی تلقین کی۔اس میں کوئی غلطی پیدا ہوگئی تھی تو اس کی اصلاح کی اور کسی چیز میں کوئی تبدیلی کرنا تھی تو وہ کردی۔

جو کچھ ہورہا تھا یہ پیغمبروں کا مسلمہ Establish طریقہ تھا جسے سُنت کہا جاتا ہے یعنی سُنت کچھ نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مسلمہ طریقہ جو پہلے سے جاری تھا اور جس طریقے سے رسول اللہؐ نے قرآن کی ہدایت کے مطابق چھوٹی موٹی اصلاح کردی مثلاً قربانی پہلے سے جاری تھی، رسول اللہؐ سے پوچھا گیا کہ قربانی کیا ہے؟ فرمایا حضرت ابراہیمؑ کی سُنت ہے۔عرب میں جو دین تھا وہ انھیں حضرت ابراہیم سے منسوب کرتے تھے۔اس کے لیے عرب دین ابراہیمی کی اصطلاح استعمال کرتے تھے اس لیے قرآن میں سورہ نحل کی آیت ہے کہ ہم نے اپنے پیغمبرؐ کی طرف وحی کی کہ اے پیغمبرؐ پیروی کرو ابراہیمؑ کے طریقے کی وہ ایک یکسو مسلمان تھا کسی

مذہب شرک کا پیرو نہ تھا۔ [۱۶/۳۱]

اس آیت کے ذریعے رسول اللہ کو حکم دیا گیا کہ جو دین ابراہیم کے زمانے سے مل رہا ہے آپ کو اس کی پیروی کرنا ہے۔ لہٰذا جس چیز کو سُنت کہا جاتا ہے وہ یوں نہیں ہے کہ پہلے قرآن آیا اور اس نے کہا کہ نماز پڑھیے پھر حضور نے بتانا شروع کیا کہ نماز ایسے پڑھی جائے گی۔ نماز پڑھی جارہی تھی، روزہ رکھا جارہا تھا، حج کیا جارہا تھا، زکوٰۃ دی جارہی تھی ان میں کچھ بدعتیں داخل ہوگئیں تھیں۔ قرآن نے اور پیغمبر نے ان کی اصلاح کی، ان کو درست کیا اور اسے جاری کر دیا۔ لہٰذا سُنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی اکرمؐ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا لہٰذا یہ دونوں چیزیں مل کر وہ دین بن جاتی ہیں جو محمدؐ سے صادر ہوا۔

سُنت کیا ہے اس پر غور کریں تو سُنت مقدم ہو جاتی ہے قرآن موخر ہو جاتا ہے یعنی وہ طریقہ جو ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے حضورؐ کے زمانے تک مسلمہ دین کی حیثیت رکھتا تھا وہ سُنت ہوگئی۔ وہ دراصل سُنت ابراہیمی ہے اور آپؐ کی تصویب سے ہم تک پہنچی۔

سُنت ہمیں کیسے ملی ہے؟ سُنت کے بارے میں یہ بات قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ قرآن جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے سُنت بھی صحابہ اور ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے۔ سُنت قرآن ہی کی طرح ہر دور میں امت کے اجماع سے ثابت قرار پائی۔ بچہ آنکھ کھولتا ہے تو قرآن مجید سے واقف ہو جاتا ہے۔ اس طرح نماز اور حج سے واقف ہو جاتا ہے۔ اجماع کا مطلب ہے کہ پوری امت کا علم اس بات پر متفق ہوتا ہے یہ بات کہ سُنت بخاری اور مسلم سے لیں گے مناسب جواب نہیں۔ جس طرح قرآن امت کے اجماع سے لیا ہے سُنت بھی امت کے اجماع سے لیں گے دونوں بالکل یکساں حیثیت سے منتقل ہوئے ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ سُنت زیادہ بڑے اجماع سے منتقل ہو رہی ہے۔ اس لیے کہ نماز پڑھنے والوں کی تعداد اور قرآن کے حفاظ کی تعداد گن کر دیکھ لیجیے اس لیے سُنت کے معاملے میں کسی ادنیٰ تردد کی بھی ضرورت نہیں۔

قرآن کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ یہ ۶۶۶۶ آیتوں کا مجموعہ ہے۔ سُنت کی تعریف کو نظر میں رکھ کر جب ہم امت کے علمی ذخیرے کا جائزہ لیتے ہیں تو جیسے قرآن بالکل محکم طریقے سے مل جاتا ہے ویسے ہی سُنت بھی محکم طور پر مل جاتی ہے یعنی سُنت کی فہرست لکھوائی جاسکتی ہے کہ یہ سُنت ہے۔ اس فہرست میں صرف چالیس سنتیں شامل ہیں جن پر صحابہ کا اجماع عملی ہے۔

<u>سُنت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے بشرطیکہ آپ یہ مان لیں کہ سُنت وہ ہے جسے رسول اللہ نے دین کی حیثیت سے جاری کیا اور اس پر پوری امت کا اجماع ہو گیا۔ سُنت میں اختلاف کیسے ہو جائے گا؟ جیسے ہی اختلاف ہو جائے گا وہ چیز سُنت ثابت نہیں ہوگی، اجماع اس کی لازمی شرط ہے۔ جیسے قرآن میں کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا سُنت میں بھی</u>

کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا۔[دانش سراء کراچی میں محاضرات ۹۸ء کی ریکارڈنگ سے ماخوذ]

سُنت کیا ہے؟: ۱۹۹۲ء میں غامدی صاحب کے خیالات

رسول کا ہر قول وفعل قانونی سند وحجّت ہے:

سُنت کا انکار۔ قرآن کا انکار ہے:

سُنت قرآن مجید کے بعد دین کا دوسرا قطعی ماخذ ہے۔ ہمارے نزدیک یہ اصول ایک ناقابل انکار علمی حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن اس معاملے میں بالکل واضح ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و ہدایات قیامت تک کے لیے اسی طرح واجب الاطاعت ہیں، جس طرح خود قرآن واجب الاطاعت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے محض نامہ بر نہیں تھے کہ اس کی کتاب پہنچا دینے کے بعد آپ کا کام ختم ہوگیا۔ رسول کی حیثیت سے آپ کا ہر قول وفعل بجائے خود قانونی سند وحجت کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کو یہ مرتبہ کسی امام وفقیہ نے نہیں دیا ہے، خود قرآن نے آپ کا یہی مقام بیان کیا ہے۔ کوئی شخص جب تک صاف صاف قرآن کا انکار نہ کردے، اس کے لیے سُنت کی اس قانونی حیثیت کو چیلنج کرنا ممکن نہیں ہے۔ قرآن نے غیر مبہم الفاظ میں فرمایا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں رسول کے ہر امرونہی کی بے چون وچرا تعمیل کی جانی چاہیے:

> ’’اور ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے، اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اِذن سے اس کی اطاعت کی جائے‘‘۔[النساء۴:۶۴]

قرآن کے خاموش مقامات کی شرح سُنت رسول اللہ ہے:

سُنت کے یہ اوامر ونواہی دو قسم کے معاملات سے متعلق ہو سکتے ہیں: ایک وہ جن میں قرآن مجید بالکل خاموش ہے اور اس نے صراحۃً یا کنایۃً کوئی بات نہیں فرمائی ہے اور دوسرے وہ جن میں قرآن مجید نے نفیاً یا اثباتاً کوئی حکم دیا ہے یا کوئی اصول بیان فرما دیا ہے۔ پہلی قسم کے معاملات میں اگر سُنت کے ذریعے سے کوئی حکم یا قاعدہ ہمیں پہنچے تو اس کے بارے میں باعتبار اصول کسی بحث ونزاع کا سوال نہیں ہے۔ اس طرح کے معاملات میں سُنت بجائے خود مرجع وماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان معاملات میں ہمارا دائرۂ عمل بس یہ ہے کہ ہم ان کا مفہوم ومنشا متعین کریں اور اس کے بعد بغیر تردد کے ان پر عمل پیرا ہوں۔

نسخ وترمیم کے اس اختیار کی تردید کے بعد زیادہ سے زیادہ جو بات اس سلسلہ میں کہی جاسکتی ہے، وہ یہ ہے کہ سُنت قرآن کی تبیین کرسکتی ہے۔ قرآن مجید کی جو آیت اس کے حق میں بالعموم پیش کی جاتی ہے، وہ یہ ہے:

> ’’اور ہم نے تم پر بھی یہ ذکر اتارا ہے تاکہ تم لوگوں پر اس چیز کو واضح کردو جو ان کی

طرف نازل کی گئی ہے''۔[النحل ۱۶: ۴۴]

آیت کا مدعا یہ ہے کہ خالق کائنات نے اپنا یہ فرمان محض اس لئے پیغمبر کی وساطت سے نازل کیا ہے کہ وہ لوگوں کے لئے اس کی تبیین کرے۔ گویا ''تبیین'' یا ''بیان'' پیغمبر کی منصبی ذمہ داری بھی ہے اور اس کے لازمی نتیجے کے طور پر اس کا حق بھی جو اسے خود پروردگار عالم نے دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر مامور من اللہ 'مبین کتاب' ہے۔ پیغمبر اور قرآن کا یہی وہ تعلق ہے جسے فن اصول کی شہرۂ آفاق کتاب ''الموافقات'' کے مصنف امام شاطبیؒ نے اس طرح بیان کیا ہے:

> ''سُنت یا قرآن کا بیان ہوگی یا اس پر اضافہ۔ پس اگر وہ بیان ہے تو اس کا مرتبہ اس چیز کے مقابلے میں ثانوی ہے جس کا وہ بیان ہے، اور اگر بیان نہیں ہے تو اس کا اعتبار صرف اس صورت میں ہوگا، جبکہ وہ چیز جو اس میں مذکور ہے، قرآن مجید میں نہ پائی جائے''۔[۵/۴]

سُنت قرآن کے خاموش مقامات کے لیے ماخذ قانون کے حکم میں ہے:

شاطبی کے اس بیان سے واضح ہے کہ سُنت ہر اس معاملہ میں، جس میں قرآن مجید خاموش ہے، بجائے خود ماخذ قانون کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن اگر کوئی چیز قرآن مجید میں مذکور ہے تو سُنت صرف اس کی ''تبیین'' کرسکتی ہے۔ اس طرح کے معاملات میں اس سے زیادہ کوئی اختیار سُنت کو حاصل نہیں ہے۔

قرآن مجید سے متعلق سُنت کے اس اختیار کی وضاحت کے بعد اب غور طلب مسئلہ صرف یہ رہ جاتا ہے کہ اس ''تبیین'' کے معنی کیا ہیں؟ اس کی جامع و مانع منطقی تعریف کیا ہے؟ اور اس تعریف کی رو سے کیا چیز 'تبیین'' قرار پاتی ہے اور کس چیز کو 'تبیین' قرار دینا ممکن نہیں ہے؟

سنت: 'تبیین' کا مفہوم محض شرح قرآن ہے

'تبیین' عربی زبان کا ایک معروف لفظ ہے۔ اس کے معنی محض 'بیان کر دینے' کے بھی ہیں اور 'واضح کرنے' اور 'واضح ہونے' کے بھی۔ آیۂ زیر بحث میں چونکہ یہ اپنے مفعول یعنی 'مانزل الیھم' کی طرف متعدی ہو کر استعمال ہوا ہے، اس وجہ سے یہاں اس کے معنی 'واضح کرنے' ہی کے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ جب کسی کلام کے لئے آئے گا تو اس کا مفہوم ٹھیک وہی ہوگا جس کے لئے ہم لفظ 'شرح' بولتے ہیں۔ قرآن مجید اور کلام عرب، دونوں میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سورۂ بقرہ میں جہاں بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس مقام کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود چونکہ اللہ کے اس حکم پر عمل کرنے سے گریزاں تھے، اس لیے انھوں نے 'ان تذبحوا بقرۃ' کے حکم کو، جس میں لفظ 'بقرۃ' کے نکرہ کی صورت میں آنے کے باعث یہ بات بالکل واضح تھی کہ انھیں کوئی سی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب اپنے خبث باطن کی وجہ سے غیر واضح قرار دے دیا اور اللہ تعالیٰ سے اس کی شرح و وضاحت کے طالب ہوئے تو انھوں نے بار بار یہی لفظ استعمال کیا۔

سنت: تبیین کے تین اہم معانی:

قرآن مجید اور کلام عرب کے شواہد سے صاف واضح ہوتا ہے کہ 'تبیین' کا لفظ کسی معاملے کی حقیقت کو کھول دینے، کسی کلام کے مدعا کو واضح کر دینے اور کسی چیز کے خفا کو دور کر کے اسے منصۂ شہود پر لانے کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ یہود نے جب کلام کے واضح مفہوم سے گریز کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ تو بس متکلم کا منشا معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے بار بار یہی لفظ 'تبیین' استعمال کیا۔ اعشیٰ کا ممدوح چند اوصاف کا حامل تھا، لیکن جب مخالفوں نے انھیں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اعشیٰ نے ان میں سے ایک ایک کو دلائل کے ساتھ نمایاں کر دیا اور وہ پردۂ خفا سے نکل کر عالم ظہور میں آ گئے تو اس نے اسے ''تبیین'' قرار دیا۔ دنیا کے خالق نے سال کو مہینوں اور مہینوں کو دنوں میں تقسیم کیا تو ان کی ایک ابتدا بھی وجود میں آئی اور ایک نصف بھی، لیکن دنوں کے الٹ پھیر کی وجہ سے جب اس ابتدا اور اس نصف کے غیاب میں چلے جانے کا اندیشہ ہوا تو چاند کے منازل سے اس کی 'تبیین' کر دی گئی۔ گویا 'تبیین' کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی، جسے باہر سے لا کر کسی بات، کسی معاملے یا کسی کلام کے سر پر لاد دیا جائے۔ وہ کسی بات کی وہ کنہ ہے جو ابتدا ہی سے اس میں موجود ہوتی ہے، آپ اسے کھول دیتے ہیں۔ وہ کسی کلام کا وہ مدعا ہے جو اس کلام کی پیدایش کے وقت ہی سے اس کے ساتھ ہوتا ہے، آپ اسے واضح کر دیتے ہیں۔ وہ کسی چیز کا وہ لازم ہے جو شروع ہی سے اس کے وجود کی حقیقت میں پوشیدہ ہوتا ہے، آپ اس کو منصۂ شہود پر لے آتے ہیں، 'تبیین' کی حقیقت اس سے بال برابر زیادہ ہے نہ کم۔ آیۂ نحل میں یہ لفظ کلام خداوندی کے لیے استعمال ہوا ہے، اس وجہ سے وہاں اس کا مفہوم اس کے سوا کچھ نہیں کہ متکلم کا وہ ارادہ جو ابتدا ہی سے اس کے کلام میں موجود ہے، اسے واضح کر دیا جائے۔

سُنت اصلاً اللہ کے منشاء کی شرح ہے:

'تبیین' کے اس لغوی مفہوم کو پوری طرح ملحوظ رکھتے ہوئے اگر اس کی تعریف متعین کرنا پیش نظر ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں:

> ''تبیین کسی کلام کے متکلم کے اس مدعا کا اظہار ہے جسے دوسروں تک پہنچانے کے لیے وہ اس کلام کو ابتداء وجود میں لایا تھا''۔

یہی مفہوم ہے جس کے لیے ہم اپنی زبان میں لفظ 'شرح' بولتے ہیں۔ شرح بس شرح ہے۔ ہر شخص جتنا جانتا ہے کہ اس لفظ کا اطلاق کسی ایسی ہی بات پر کیا جا سکتا ہے جس کے بارے میں آپ یہ ثابت کر سکیں کہ وہ فی الواقع اس کلام کے متکلم کا منشا ہے جس کی طرف آپ وہ بات منسوب کر رہے ہیں۔ آپ کسی کلام سے متعلق کچھ فرماتے ہیں اور پھر دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ کا یہ ارشاد اس کلام کی شرح ہے تو اسے محض آپ کے ارشاد کی بنا پر تسلیم نہیں کر لیا جائے گا۔ ہر عاقل آپ سے مطالبہ کرے گا کہ اپنے اس قول کی دلیل بیان فرمائیے۔ وہ آپ سے پوچھے گا کہ جو کچھ آپ متکلم کی طرف منسوب کر رہے ہیں کیا اس کے الفاظ اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے اس پر دلالت کرتے ہیں؟ کیا اس کے جملوں کی ترکیب کا نحوی تقاضا یہ ہے جو آپ بیان فرما رہے ہیں؟ کیا جملوں کے

سیاق وسباق کی دلالت سے آپ نے یہ معنی اخذ کیے ہیں؟ کیا یہ متکلم کی عادت مستمرہ ہے کہ وہ اس طرح کے الفاظ جہاں استعمال کرتا ہے، اس سے وہی کچھ مراد لیتا ہے جو آپ نے فرمایا ہے؟ کیا عقل عام کا ناگزیر اقتضا ہے کہ آپ کے اس ارشاد ہی کو متکلم کا منشا قرار دیا جائے؟ آپ کسی کلام سے متعلق کسی بات کو 'شرح' یا 'تبیین' قرار دینا چاہتے ہیں تو اپنے قول کو ثابت کرنے کے لیے ان دلائل میں سے کوئی دلیل آپ کو لازماً پیش کرنی ہوگی۔ اس طرح کی کسی دلیل کے بغیر کوئی بات نہ 'شرح' قرار پا سکتی ہے نہ 'تبیین'۔ شرح وتبیین کے الفاظ اپنے معنی ہی کے اعتبار سے اس طرح کی کسی دلیل کے متقاضی ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بعض اہل تحقیق نے 'تبین' یا 'بیان' کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

> ''بیان وہ دلیل ہے جو صحیح استدلال کے ذریعے سے اس چیز کے علم کے حصول تک پہنچاتی ہے جس پر وہ دلالت کرتی ہے''۔ [کشف الاسرار، علاء الدین عبدالعزیز ۱۰۵/۳]

اس بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ 'تبیین' تو بس متکلم کے اس فحویٰ کا اظہار ہے جو ابتدا ہی سے اس کے کلام میں موجود ہوتا ہے۔ کسی کلام کے وجود میں آنے کے بعد جو تغیر بھی اس کلام کی طرف منسوب کیا جائے گا، آپ اسے 'نسخ' کہیے یا 'تغیر وتبدل' اسے 'تبیین' یا 'بیان' یا 'شرح' بہرحال قرار نہیں دیا جا سکتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے اصول میں سے جن لوگوں کی نگاہ لفظ کی اس حقیقت پر رہی ہے، انھوں نے 'تبیین' کی تعریف میں یہ بات پوری طرح واضح کر دی ہے۔ امام بزدوی نے علم اصول پر اپنی کتاب میں شمس الائمہ کی تعریف نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> ''بیان کا اطلاق اس شے پر کیا جاتا ہے جس کے ذریعے سے اس شے کا ابتدا ہی سے کلام میں موجود ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ رہا وہ تغیر جو کلام کے وجود میں آنے کے بعد کیا جائے تو وہ نسخ ہے۔ اسے بیان قرار نہیں دیا جا سکتا''۔

سُنت قرآن کی شارح محض ہے:

لفظ 'تبیین' کے معنی، اس کی تعریف اور اس کے حدود کی تعیین کے بعد اب یہ بات کسی پہلو سے مبہم نہیں رہی کہ سُنت کو جو منصب قرآن مجید نے خود اپنے متعلق عطا فرمایا ہے، وہ شارح کا منصب ہے۔ شارح کی حیثیت سے سُنت قرآن مجید کے مضمرات کو کھولتی، اس کے عموم وخصوص کو بیان کرتی اور اس کے مقتضیات کو واضح کرتی ہے۔ سُنت کا یہ کام کوئی معمولی نہیں ہے۔ یہی وہ کام ہے جس کے نتیجے میں دین کی تشکیل ہوتی اور زندگی کے گوناگوں احوال کے ساتھ اس کا تعلق استوار ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے سُنت کے جو احکام وقواعد ہمیں مختلف ذرائع سے معلوم ہوتے ہیں، ان کی پیروی، جیسا کہ ہم نے اس بحث کے آغاز میں بیان کیا ہے، ہمارے لئے لازم ہے اور وہ بھی اسی طرح قیامت تک کے لیے واجب الاطاعت ہیں، جس طرح خود قرآن واجب الاطاعت ہے۔ علمائے اصول میں جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین کی نعمت سے نوازا ہے، انھوں نے سُنت کے معاملے

میں یہی بات فرمائی ہے۔ حدیث وسُنت کے صاحب البیت امام احمد بن حنبل سے متعلق روایت ہے:

''فضل بن زیادہ کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل سے حدیث: 'ان السنة قاضية'' کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں یہ کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ سُنت کتاب اللہ پر قاضی ہے۔ سُنت تو کتاب اللہ کی شرح وتفسیر کرتی ہے۔ فضل کہتے ہیں کہ میں نے ان کا یہ ارشاد بھی سنا کہ: سُنت قرآن مجید کی کسی بات کو منسوخ نہیں کرسکتی۔ قرآن کو صرف قرآن منسوخ کرسکتا ہے''۔[جامع بیان العلم، ابن عبدالبر ۲۳۴/۲]

سُنت قرآن کی شرح وتفسیر ہے:

یہی بات ایک دوسرے اسلوب میں امام شاطبی نے ''الموافقات'' میں واضح کی ہے:

''سُنت کے کتاب پر قاضی ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اسے کتاب پر مقدم ٹھیرایا جائے اور کتاب کو اس کے مقابلے میں چھوڑ دیا جائے، بلکہ جو کچھ سُنت میں بیان کیا جاتا ہے، وہ کتاب کی مراد ہوتا ہے۔ گویا سُنت احکام کتاب کے معانی کے لیے شرح و تفسیر کی حیثیت رکھتی ہے اور یہی بات قرآن مجید کی آیت: ''لتبین للناس ''میں واضح کی گئی ہے''۔[۷/۴]

اس کے بعد امام موصوف نے قطع ید کی سزا کے بارے میں بعض تشریحات مثلاً لفظ 'ید' کے معنی، مال مسروق کی مقدار اور 'حرز' وغیرہ کے شرائط کا حوالہ دیتے ہوئے مزید وضاحت کی ہے:

''سُنت کی یہ تشریح درحقیقت آیت کا مفہوم و مدعا ہے۔ ہم یہ نہیں کہیں گے کہ سُنت نے یہ احکام قرآن کے علاوہ دیے ہیں۔ جس طرح کہ امام مالک یا کوئی دوسرا مفسر کسی آیت یا حدیث کے معنی بیان کرتا ہے اور ہم اس کے معنی کے مطابق عمل کرتے ہیں تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے فلاں مفسر کے قول کے مطابق عمل کیا ہے۔ اس کے بجائے ہم یہی کہیں گے کہ ہمارا عمل اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے مطابق ہے۔ یہی معاملہ قرآن کی ان تمام آیات کا ہے جن کی 'تبیین' سُنت نے کی ہے۔ لہٰذا سُنت کے کتاب اللہ پر قاضی ہونے کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ کتاب اللہ کی شارح ہے''۔[۸/۴]

سنّت کسے کہتے ہیں؟ ۲۰۰۲ء میں غامدی صاحب کا نیا مؤقف

اب رسول کا ہر قول و فعل حجّت نہیں رہا

سُنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ قرآن میں اس کا حکم آپ کے لئے اس طرح بیان ہوا ہے:

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرٰھِیْمَ حَنِیْفًا، وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ. [النحل۱۶۔۱۲۳] ''پھر ہم نے تمہیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سوتھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا''۔

اس ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے، وہ یہ ہے:

[۱] اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ [۲] ملاقات کے موقع پر السلام علیکم، اور اس کا جواب۔ [۳] چھینک آنے پر ''الحمد اللہ'' اور اس کے جواب میں ''یرحمک اللہ''۔ [۴] نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت۔ [۵] مونچھیں پست رکھنا۔ [۶] زیر ناف کے بال مونڈنا۔ [۷] بغل کے بال صاف کرنا۔ [۸] لڑکوں کا ختنہ کرنا۔ [۹] بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔ [۱۰] ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ [۱۱] استنجا۔ [۱۲] حیض و نفاس میں زن و شوہر کے تعلق سے اجتناب۔ [۱۳] حیض و نفاس کے بعد غسل۔ [۱۴] غسلِ جنابت۔ [۱۵] میت کا غسل۔ [۱۶] تجہیز و تکفین۔ [۱۷] تدفین۔ [۱۸] عیدالفطر۔ [۱۹] عیدالاضحیٰ۔ [۲۰] اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تزکیہ۔ [۲۱] نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات۔ [۲۲] زکوٰۃ اور اس کے متعلقات۔ [۲۳] نماز اور اس کے متعلقات۔ [۲۴] روزہ اور صدقۂ فطر۔ [۲۵] اعتکاف۔ [۲۶] قربانی۔ [۲۷] حج و عمرہ اور ان کے متعلقات۔

سُنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآنِ مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں امت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے، لہٰذا اس کے بارے میں اب کسی بحث و نزاع کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ [۲۰۰۲ء میزان]

دین لاریب، انھی دو صورتوں میں ہے۔ ان کے علاوہ کوئی چیز دین ہے، نہ اسے دین قرار دیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کے اخبارِ آحاد جنھیں بالعموم ''حدیث'' کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا ہرگز کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ [۲۰۰۶ء]

دین میں سُنت اور رسوم وآداب کا فرق: غامدی صاحب

۲۰۰۲ء میں غامدی صاحب کا ارتقاء یافتہ مؤقف

رسوم وآداب

انسان کی تہذیب نفس رہن سہن کے جن طریقوں اور تمدن کے جن مظاہر سے نمایاں ہوتی ہے، انھیں ہم اصطلاح میں رسوم وآداب کہتے ہیں۔ انسانی معاشرت کا کوئی دوران رسوم وآداب سے خالی نہیں رہا۔ انھیں ہم ہر قبیلے، ہر قوم اور ہر تہذیب میں یکساں رائج اور ایک عمومی دستور کی حیثیت سے یکساں جاری رکھتے ہیں۔ اقوام وملل کی پہچان ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ تر انھی سے قائم ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام جو دین لے کر آئے ہیں، وہ بھی اپنے ماننے والوں کو بعض رسوم وآداب کا پابند کرتا ہے۔ دین کا مقصد تزکیۂ نفس ہے، لہٰذا دین کے یہ رسوم وآداب بھی اسی مقصد کو سامنے رکھ کر مقرر کئے گئے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو یہ سب دین ابراہیمی کی روایت کے طور پر عرب میں رائج تھے۔ چند چیزوں کے سوا آپ نے ان میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ یہ قرآن سے مقدم ہیں اور ان کی حیثیت ایک سُنت کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر وتصویب کے بعد صحابہ کرام کے اجماع اور تواتر عملی سے امت کو منتقل ہوتی ہے۔ ان کا ماخذ اب امت کا اجماع ہے اور یہ سب اسی بنیاد پر پوری امت میں ہر جگہ دین تسلیم کئے جاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے مقرر کردہ یہی رسوم وآداب ہم تفصیل کے ساتھ یہاں بیان کریں گے۔

[۱] اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔

ان میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے اعتراف واقرار اور ان میں برکت کی دعا کے لئے ہے اور دوسری چیز اس حقیقت کی ہمہ وقت یاددہانی کے لئے جنت کی نعمتیں قیامت کے دن جن لوگوں کو ملیں گی، ان کا نامۂ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں پکڑایا جائے گا۔ بندۂ مومن جب اس طرح کے مواقع پر دائیں کی رعایت کرتا ہے تو یہ گویا اس کی طرف سے ایک طرح کا علامتی اظہار ہوتا ہے کہ قیامت میں بھی وہ اصحاب الیمین ہی کے زمرے میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

[۲] ملاقات کے موقع پر ''السلام علیکم'' اور اس کا جواب۔

[۳] چھینک آنے پر ''الحمد للہ'' اور اس کے جواب میں ''یرحمک اللہ''۔

[۴] نومولود کے کان میں اذان واقامت

[۵] مونچھیں پست رکھنا۔ [۶] زیر ناف کے بال مونڈنا۔ [۷] بغل کے بال صاف کرنا۔ [۸] بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔ [۹] لڑکوں کا ختنہ کرنا [یہ پانچوں آداب کی قبیل سے ہیں] [۱۰] ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی، [۱۱] استنجا [۱۲] حیض ونفاس کے بعد غسل [۱۳] غسل جنابت [۱۴] میت کا غسل [۱۵]

ساحل اپریل ۲۰۰۷ء

تجہیز وتکفین[۱۶] تدفین[۱۷] عید الفطر[۱۸] عید الاضحیٰ

ان میں جو اعمال سُنت کے طور پر جاری کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ صدقۂ فطر

۲۔ نماز اور خطبہ

۳۔ ایام تشریق میں ہر نماز کے بعد تکبیریں۔

سُنت کسے کہتے ہیں؟ ۲۰۰۲ء میں ایک نیا موٗقف

دین میں سُنت سے مراد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ یا راستہ ہے جسے آپ نے ملت ابراہیمی کے اتباع میں اپنے پیروکاروں میں دین کی حیثیت سے جاری کیا۔ اس میں آپ نے مختلف امور کی تجدید واصلاح کی، کیونکہ مرورِ زمانہ سے اس میں مختلف بدعتیں اور تحریفات داخل ہو چکی تھیں۔ بہت سے دینی احکامات اپنی شکل اور مطلوبہ ہیت میں باقی نہیں رہے تھے۔ آپ نے اس طرح کے تمام امور کو درست کیا اور انھیں دین کی حیثیت سے جاری کیا۔

تمام صحابہ سُنت پر کاربند نہ تھے:

سُنت اس امت کو صحابہ کے اجماع اور عملی تواتر سے منتقل ہوئی یعنی تمام کے تمام صحابہ اس بات پر کاملاً متفق تھے کہ فلاں عمل سُنت ہے اور وہ سارے کے سارے یا ان کی ایک کثیر تعداد اس پر کاربند بھی تھی۔ لہٰذا یہ بات بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ قرآن جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے۔ سُنت اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح یہ ہر دور میں امت کے اجماع سے ثابت قرار پائے گی۔

سُنت صرف عملی ہے قرآن کی شرح نہیں:

سُنت، تمام تر، عملی چیزوں پر مشتمل ہے، جبکہ اصولی اور نظریاتی معاملات قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں۔

خود قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ جس طرح اس کے ہر حکم پر عمل کرنا ہمارے لئے لازم ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دین کا جو عملی طریقہ سکھائیں، وہ بھی دین کا حصہ ہے اور اس کا اتباع کرنا ہم پر لازم ہے۔ سورۂ جمعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقام اس طرح بیان ہوا ہے:

> ''اللہ وہی ہے جس نے ان امی عربوں کے اندر ایک رسول خود انھی میں سے اٹھایا جو انھیں اس اللہ کی آیات سناتا ہے۔ ان کی زندگیوں کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے

ہوئے تھے اور اس رسول کی بعثت ان تمام اہل عالم کے لیے بھی ہے جو اس سے نہیں ملے''۔ [۳،۲:۶۲]

اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ دین کا واحد ماخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ آپ ہی کی وساطت سے ہمیں قرآن ملا ہے اور آپ ہی سے ہمیں اس دین کا وہ عملی طریقہ ملا ہے جسے آپ نے غیر معمولی اہتمام کے ساتھ اس امت کو پہنچایا ہے۔ گویا آپ نے تھیوری [قرآن] اور پریکٹس [سنت] دونوں طریقوں سے ہماری زندگیوں کو پاک وصاف کرنے یعنی تزکیہ کرنے کا کام انجام دیا۔ ۔ قرآن مجید ہمیں اس امت کی متفقہ قولی شہادت سے ملا ہے اور سُنت ہمیں اس امت کی متفقہ عملی شہادت سے ملی ہے۔ یہی سارا دین ہے۔

سُنت کا قرآن کی شرح سے کوئی تعلق نہیں:

سُنت سے ہمیں جو دین ملا ہے وہ دراصل زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق عملی رہنمائی ہے۔ مثلاً معاشرت اور آداب کے ضمن میں [۱] اللہ کا نام لے کر کھانا اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا [۲] ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اس کا جواب، [۳] چھینک آنے پر الحمدللہ اور اس جواب میں یرحمک اللہ [۴] نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت، [۵] نکاح، [۶] نکاح کا خطبہ اور [۷] جانوروں کا تزکیہ کرنا۔

ذاتی صفائی کے ذیل میں [۸] مونچھیں پست رکھنا، [۹] زیرناف بال مونڈنا [۱۰] بغل کے بال صاف کرنا، [۱۱] لڑکوں کا ختنہ کرنا، [۱۲] بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا، [۱۳] داڑھی اور انگلیوں کا خلال کرنا، [۱۴] ناک منہ اور دانتوں کی صفائی کرنا اور [۱۵] استنجا کرنا، سُنت میں شامل ہے۔ اسی طرح [۱۶] میت کو غسل دینا، [۱۷] اس کی تجہیز وتکفین اور [۱۸] تدفین کرنا بھی سُنت ہے۔

عبادات کے ضمن میں [۱۹] نواقض وضو [یعنی جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے] [۲۰] موزوں پر مسح، [۲۱] اذان واقامت، [۲۲] نماز کے لیے مساجد کا اہتمام، [۲۳] شب وروز کی پانچ فرض نمازیں، [۲۴] نماز جمعہ، [۲۵] نماز عیدین اور [۲۶] نماز جنازہ کا طریقہ ہمیں سُنت نے سکھایا ہے۔ اسی طرح [۲۷] روزہ، [۲۸] اعتکاف، [۲۹] عید الفطر، [۳۰] صدقہ عید الفطر کا طریقہ بھی سُنت کا عطا کردہ ہے۔ [۳۱] زکوۃ کی عملی صورت گری بھی سُنت کی مرہون منت ہے۔ اسی طرح [۳۲] ہدی [قربانی کا جانور جو حاجی مکہ مکرمہ لے جاتے ہیں] [۳۳] طواف اشہر حرم [ذوالقعدہ، [۳۴] محرم اور رجب یعنی وہ مہینے جن میں خدا نے قتل وقتال حرام قرار دیا ہے] [۳۵] عمرہ، [۳۶] حج، [۳۷] عید الاضحیٰ، [۳۸] ذوالحجہ کی قربانی اور ایام تشریق [عید الاضحیٰ کے بعد کے تین دن] میں جماعت کی نمازوں کے بعد تکبیروں کا عملی طریقہ ہمیں سُنت نے سکھایا ہے۔

درج بالا سب چیزیں سُنت ہیں۔ ثبوت کے اعتبار سے ان میں اور قرآن مجید میں کوئی کوئی فرق

نہیں ہے۔ یہی دین ہے۔ ان سب امور پر امت کا اجماع ہے۔[۲۰۰۲ء]

سُنت کیا ہے؟ ۲۰۰۴ء میں غامدی صاحب کا جدید مؤقف

دین اس دنیا میں انسان کے لیے اللہ پروردگار عالم کی ہدایت ہے۔ یہ انسان کو دو صورتوں میں ملا ہے جنہیں ہم ''دینِ فطرت کے حقائق' اور 'دین وحی' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ دینِ فطرت کے حقائق سے مراد اللہ پروردگارِ عالم کی وہ ہدایت و رہنمائی ہے جسے اُس نے انسان کی فطرت میں ابتداء ہی سے ودیعت کیا ہے۔ اس میں وہ رہنمائی بھی شامل ہے جس کا تعلق انسان کے علم اور اس کے تصورات سے ہے۔ مثلاً ذاتِ خداوندی کا علم، توحید و معاد کے تصورات وغیرہ۔ اور وہ ہدایت بھی جس کا تعلق انسان کی عملی زندگی سے ہے مثلاً اسے اس کے جسمانی وجود کے بارے میں اس کے پروردگار نے طہارت اور غلاظت کا احساس دیا، کھانے اور پینے کے معاملے میں پاکیزہ اور ناپاک چیزوں کا شعور عطا کیا اور اسے اس کے اخلاقی وجود میں اچھے اور برے کا شعور بخشا اور ان میں امتیاز کی صلاحیت عطا کی ہے۔ غرض یہ کہ انسان ان تمام معاملات میں ابتدا ہی سے خیر و شر کا شعور رکھتا، صالح اور غیر صالح میں فرق کرتا اور پاکیزگی اور ناپاکی کا احساس رکھتا ہے۔

یہ دین فطرت کے حقائق ہیں جنہیں قرآن مجید معروف و منکر سے تعبیر کرتا ہے۔ مثلاً داڑھی یہ سُنت نہیں فطرت ہے ہر مرد داڑھی رکھتا ہے اور اس کی فطرت عورت کی مشابہت سے فطری طور پر ابا کرتی ہے۔ یعنی وہ باتیں جو انسانی فطرت میں خیر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور وہ جن سے فطرت ابا کرتی اور انہیں بُرا سمجھتی ہے۔ قرآن ان کی کوئی جامع و مانع فہرست نہیں پیش کرتا، بلکہ اس حقیقت کو مان کر کہ انسان ابتدا ہی سے معروف و منکر دونوں کو پورے شعور کے ساتھ بالکل الگ الگ پہچانتا ہے، اس سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ معروف کو اپنائے اور منکر کو چھوڑ دے۔ غرض یہ کہ انسان اپنے وجود میں روز اول سے ایک ایسی بینائی لے کر اس دنیا میں آیا ہے جو اس کے باطن میں ودیعت کی گئی ہے۔ وہ اصلاً ایک بینا مخلوق ہے۔ یہ واضح رہے کہ فطرت کے اِن حقائق کے لئے 'دین' کا لفظ یہاں اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اصطلاحی دین [دینِ وحی] کے ساتھ اس کی اس مماثلت کی بنا پر ہوا ہے کہ وہ بھی اس دنیا میں انسان کے لئے اس کے پروردگار کی ہدایت ہے اور فطرت کے حقائق کی حیثیت بھی انسان کے لئے یہی ہے۔

دین فطرت اور دین وحی کا ماخذ ایک ہے:

دینِ فطرت اور دینِ وحی دونوں کا ماخذ و مصدر اصلاً ایک ہی ہے اور وہ اللہ پروردگار عالم کی ذات ہے۔ دینِ فطرت انسان کے لئے اللہ پروردگار عالم کی ہدایت ہے اور دین وحی کی بھی یہی حقیقت ہے۔ دین فطرت ہر انسان کو روز اول سے اس کے پروردگار کی طرف سے براہِ راست حاصل ہوتا ہے، جبکہ دین وحی اسے صرف اس کے پیغمبروں ہی کی وساطت سے میسر ہوتا ہے۔

ساحل اپریل ۲۰۰۷ء

دینِ فطرت کی حیثیت انسان کے لئے بنیادی اور اولین ہدایت کی ہے۔اور دینِ وحی اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی اضافی اور ثانوی ہدایت ہے۔دوسرے لفظوں میں دینِ وحی کی بنیاد اصلاً دینِ فطرت کے حقائق پر قائم ہے۔

دین وحی کی آخری صورت......قرآن اور سُنت ہے چنانچہ اب رہتی دنیا تک دین کے مآخذ کے حیثیت انہی دو چیزوں کو حاصل رہے گی۔قرآن کی تعریف پر کوئی اختلاف نہیں اصل مسئلہ سُنت کا ہے۔

سُنت کیا ہے؟

سوال یہ ہے کہ سُنت کیا ہے سُنت دراصل دینِ ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے اور جسے آپ کے صحابہؓ نے اپنے اجماع اور عملی تواتر کے ذریعے سے پوری حفاظت، پورے اہتمام اور قطعیت کے ساتھ دنیا کو منتقل کیا ہے۔یہاں یہ واضح رہے کہ ثبوت کے اعتبار سے سُنت اور قرآنِ مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔وہ جس طرح صحابہؓ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں امت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے۔دنیا میں تاریخی طور پر کسی چیز کے منتقل ہونے کا مستند ترین ذریعہ اجماع اور تواتر ہی ہیں، کسی چیز کے تاریخی استناد کو آخری درجے میں ثابت کرنے کے لئے اجماع و تواتر سے بڑھ کر کوئی چیز پیش نہیں کی جاسکتی۔ بلاشبہ صحابہ کرامؓ سے ہم تک تمام امت نے خدا کا یہ دین اپنے کامل اجماع اور تواتر سے منتقل کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ دین کی یہ ہدایت اب بھی ہم امت کے اجماع ہی سے اخذ کرتے ہیں۔اس کے نتیجے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دین کی نسبت اور اس کا استناد قطعیت کے درجہ میں ثابت ہوتا ہے۔اور یہ ثبوت علمِ یقین کے درجے کو پہنچ جاتا ہے۔

اعمالِ سُنن اور اُن کا حکم:

سُنت کی حیثیت سے جو دین نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں ملا ہے وہ عبادات، معیشت، معاشرت، خورد و نوش اور رسوم و آداب سے متعلق ہیں۔ان کا بیان اور دین میں ان کا حکم حسب ذیل ہے:

عبادات میں سنن: کچھ سنتیں لازمی نہیں ہیں: کچھ ضروری نہیں

[۱] شب و روز کی پانچ نمازیں اور ان کے متعلقات۔ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے یہ نمازیں دین میں لازمی عبادات کی حیثیت رکھتی ہیں۔[۲] نمازِ جمعہ اور اس کے متعلقات۔ہر جمعہ کے دن مردوں کے لئے دین میں یہ ہمیشہ ایک لازمی، اور عورتوں کے لئے ایک پسندیدہ عبادت کے طور پر جاری کی گئی ہے۔[۳] عیدین کی نماز اور اس کے متعلقات۔یہ عیدالفطر اور عیدالضحٰی کے موقع پر مردوں کے لئے لازمی اور عورتوں کے لئے پسندیدہ عبادات ہیں۔[۴] نماز جنازہ اور اس کے متعلقات۔میت کے ورثا اور اقارب کے لئے اسے ادا کرنا ایک لازمی سُنت ہے۔جبکہ دیگر افراد کے لئے اس کی حیثیت ایک پسندیدہ سُنت کی ہے۔[۵] رمضان کے روزے

اوران کے متعلقات ۔ ماہِ رمضان میں مسلمانوں کے لئے دین میں اسے ایک لازمی عبادت کی حیثیت سے جاری کیا گیا ہے۔[۶] رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف اوراس کے متعلقات۔ یہ ایک پسندیدہ عبادت ہے۔ لازم اورواجب نہیں ہے۔[۷] بیت الحرام کا حج اوراس کے متعلقات۔ صاحبِ استطاعت پر یہ عبادت عمر بھر میں ایک مرتبہ دین میں لازم کی گئی ہے۔[۸] بیت الحرام کا عمرہ اوراس کے متعلقات ۔ دین میں یہ عبادت صاحب استطاعت کے لئے ایک پسندیدہ عبادت کی حیثیت رکھتی ہے۔ لازم نہیں ہے۔[۹] عیدالاضحیٰ کی قربانی اوراس کے متعلقات۔ اس سُنت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبِ استطاعت مسلمانوں کے لئے ایک پسندیدہ عبادت کے طور پر دین میں جاری فرمایا ہے۔[۱۰] ایام تشریق[۱۱،۱۲اور۱۳ذوالحجہ] میں ہر نماز کے بعد تکبیریں۔ یہ تکبیرات دین میں ایک لازمی سُنت کی حیثیت رکھتی ہیں۔

معیشت میں سنن: [۱۱] زکوٰۃ اوراس کے متعلقات۔ یہ اپنی شرائط کے ساتھ دین میں ایک لازمی انفاق ہے۔[۱۲] صدقۂ فطر۔ ہرصاحب استطاعت مسلمان مردوعورت کے لئے رمضان کے اختتام پر نمازِعید سے پہلے اس انفاق کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دین میں ایک لازمی سُنت کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ [۱۳] مرد کے لئے نکاح کے موقع پر مہر کی ادائیگی۔ اس کی حیثیت بھی ایک لازمی سُنت کی ہے۔

معاشرت میں سنن: [۱۴] نکاح۔ ہرمسلمان مردوعورت کے لیے یہ اپنی شرائط کے ساتھ ایک لازمی سُنت ہے۔[۱۵] طلاق

خوردونوش میں سنن: [۱۶] اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ۔ جانور ذبح کرنے والے کے لیے یہ عمل دین میں ایک لازمی سُنت کی حیثیت رکھتا ہے۔ تذکیہ کا لفظ بطورِاصطلاح جس مفہوم کے لیے بولا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی تیز چیز سے جانور کو زخمی کر کے اس کا خون اس طرح بہادیا جائے کہ اس کی موت خون بہہ جانے ہی کے باعث واقع ہو۔

رسوم وآداب میں سنن: [۱۷] اللہ کا نام لے کراوردائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ کھانے پینے کے موقع پر اس عمل کو دین میں ایک لازمی سُنت کی حیثیت سے جاری کیا گیا ہے۔[۱۸] ملاقات کے موقع پر ''السلام علیکم'' اوراس کا جواب۔ یہ سُنت بھی دین میں ایک لازمی عمل کی حیثیت رکھتی ہے۔[۱۹] چھینک آنے پر ''الحمداللہ'' اوراس کے جواب میں ''یرحمک اللہ'' کہنا۔ دین میں یہ عمل بھی ایک لازمی سُنت کے طور پر جاری کیا گیا ہے۔[۲۰] نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے والدین اور سرپرستوں کے لئے ایک پسندیدہ سُنت کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔[۲۱] مونچھیں پست رکھنا۔ اس عمل کو مردوں کے لئے دین میں ایک لازمی سُنت کی حیثیت حاصل ہے۔[۲۲] زیرناف کے بال مونڈنا۔ یہ بھی دین میں ایک واجب عمل کی حیثیت رکھتا ہے۔[۲۳] بغل کے بال صاف کرنا اس کی حیثیت بھی ایک لازمی سُنت کی ہے۔[۲۴] لڑکوں کا ختنہ کرنا۔ والدین اورسرپرستوں پر دینِ ابراہیمی کی یہ سُنت بھی لازم کی گئی ہے۔[۲۵] بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔ یہ بھی دین میں ایک لازمی حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔[۲۶] ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ سنن میں اس عمل کی حیثیت بھی ایک واجب کی ہے۔[۲۷]

استنجا۔ بول و براز کے موقع پر اس عمل کو دین میں لازم کیا گیا ہے۔[۲۸] لڑکیوں کا ختنہ۔[۲۹] حیض ونفاس کے بعد غسل۔عورتوں کے لیے اسے دین میں ایک لازمی سُنت کی حیثیت سے جاری کیا گیا ہے۔[۳۰] داڑھی رکھنا۔ [۳۱] میت کا غسل۔ ورثا اور اقارب پر اس ذمہ داری کو ادا کرنا دین میں لازم کیا گیا ہے۔[۳۲] تجہیز و تکفین۔ ورثا اور اقربا کے لئے اس کے حکم کی حیثیت بھی میت کے غسل ہی کی طرح ہے۔ [۳۳] تدفین۔عزیز و اقارب کے لئے یہ بھی ایک لازمی سُنت ہے۔[۳۴] عیدالفطر۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چند متعین سنن کے ساتھ مسلمانوں میں ایک لازمی تہوار کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔[۳۵] عید الاضحیٰ۔اس کی حیثیت بھی دین میں عیدالفطر ہی کی طرح ہے۔[۳۶] نکاح کے موقع پر خطبہ۔ یہ دین میں ایک پسندیدہ سُنت کی حیثیت رکھتا ہے۔لازم اور واجب نہیں ہے۔[۲۰۰۴ء]

سُنت کی تعریف ۱۹۹۶ء: میں جاوید احمد غامدی کے الفاظ میں

لغت کے لحاظ سے سُنت نام ہی عملی طریقے کا ہے۔نظری نوعیت کی چیزیں اس میں زیر بحث نہیں آتیں۔حدیث کے ذخیرے پر نظر ڈال کر دیکھا جائے کہ اس میں کیا چیز سُنت ہے؟ کیا تفہیم ہے؟ کیا تبئین ہے؟ کیا اسوہ حسنہ ہے اور کیا تاریخ ہے؟ میں نے دین کی یہی خدمت کی ہے کہ حدیث کے تمام ذخیرے کا ربع صدی مطالعہ کر کے چالیس سنتیں نکال لیں اور اس ذخیرہ حدیث کو عنوانات کے تحت تقسیم کر دیا۔

لاریب سُنت صرف چالیس ہیں اس کے سوا کچھ سُنت نہیں: [۱] اللہ کا نام لے کر دائیں ہاتھ سے کھانا [۲] السلام علیکم کہنا اور اس کا جواب [۳] چھینک آنے پر الحمد للہ جواباً یرحمک اللہ کہنا [۴] کان میں اذان وقت ولادت [۵] نکاح [۶] خطبہ نکاح [۷] قربانی [۸] مونچھیں مونڈنا [۹] زیر ناف کے بال صاف کرنا [۱۰] بغلوں کے بال کی صفائی [۱۱] لڑکوں اور لڑکیوں کے ختنے [۱۲] بڑھے ناخن کاٹنا [۱۳] داڑھی رکھنا [۱۴] داڑھی اور انگلی میں خلال [۱۵] ناک منہ دانت کی صفائی [۱۶] استنجا [۱۷] غسل جنانت [۱۸] میت کا غسل [۱۹] تجہیز و تکفین [۲۰] تدفین [۲۱] نماز سے پہلے وضو [۲۲] تیمّم [۲۳] اذان اقامت [۲۴] نماز کے لیے اہتمام مساجد [۲۵] پنج وقتہ لازمی نمازیں [۲۶] نماز جمعہ [۲۷] چار شادیاں کرنا [۲۸] نماز جنازہ [۲۹] روزہ [۳۰] اعتکاف [۳۱] عیدین کی نمازیں [۳۲] نماز جنازہ [۳۳] صدقہ عیدالفطر [۳۴] زکوٰۃ [۳۵] ہدی کا جانور [۳۶] کم از کم دو کمروں کا مکان [۳۷] امام کا صاحب نصاب ہونا [۳۸] طواف [۳۹] عمرہ و حج [۴۰] ایام تشریق کی تکبیریں [۴۱] مسواک اور خوشبو کا استعمال۔۱۹۸۰ء میں داڑھی قرآن سے ثابت تھی۔[حضرت موسیٰؑ نے بھائی کی داڑھی کھینچی۔]۱۹۹۴ء میں داڑھی سُنت ہوگئی۔ پھر فطرت ہوگئی اور سُنت سے نکل گئی۔۱۹۹۸ء میں صرف اسوہ حسنہ رہ گئی۔رسولؐ نے اسے پسند فرمایا تھا۔۲۰۰۷ء میں داڑھی بس ایک شے ہے اس کے سوا کچھ نہیں، ساحل]

سُنت کیا ہے؟ ۲۰۰۵ء میں غامدی صاحب کا ایک اور نقطۂ نظر

دین اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جو اس نے پہلے انسان کی فطرت میں الہام فرمائی اور اس کے بعد اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ اپنے پیغمبروں کی وساطت سے انسان کو دی ہے۔ اس سلسلہ کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ دین کا تنہا ماخذ اس زمین پر اب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات والا صفات ہے۔ یہ صرف انھی کی ہستی ہے کہ جس سے قیامت تک بنی آدم کو ان کے پروردگار کی ہدایت میسر ہو سکتی ہے اور یہ صرف انھی کا مقام ہے کہ اپنے قول و فعل اور تقریر و تصویب سے وہ جس چیز کو دین قرار دیں، وہی اب رہتی دنیا تک دین حق قرار پائے گا۔

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الاُمِّیّنَ رَسُولًا مِّنهُم یَتلُوا عَلَیهِم اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیهِم وَ یُعَلِّمُهُمُ الکِتٰبَ وَالحِکمَةَ. [الجمعہ ۶۲:۲]

”وہی ذات ہے جس نے ان امیوں میں ایک رسول انھی میں سے اٹھایا ہے جو اس کی آیتیں ان پر تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور [اس کے لیے] انھیں قانون اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے“۔

یہی قانون و حکمت وہ دین حق ہے جسے ”اسلام“ نے دین سے تعبیر کیا جا ہے۔ اس کے ماخذ کی تفصیل ہم اس طرح کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دین آپ کے صحابہ کے اجماع اور قولی و عملی تواتر سے منتقل ہوا اور دو صورتوں میں ہم تک پہنچا ہے: ۱۔ قرآن مجید ۲۔ سنت۔

قرآن مجید کے بارے میں ہر مسلمان اس حقیقت سے واقف ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے، اور اپنے نزول کے بعد سے آج تک مسلمانوں کے پاس ان کی طرف سے بالاجماع اس صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ یہی وہ کتاب ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی اور جسے آپ کے صحابہ نے اپنے اجماع اور قولی تواتر کے ذریعے سے پوری حفاظت کے ساتھ بغیر کسی ادنیٰ تغیر کے دنیا کو منتقل کیا ہے۔

سُنت قرآن کی شرح و تبیین کا نام نہیں:

سُنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ قرآن میں اس کا حکم آپ کے لیے اس طرح بیان ہوا ہے:

ثُمَّ اَوحَینَآ اِلَیکَ اَنِ اتَّبِع مِلَّةَ اِبرٰهِیمَ حَنِیفًا ، وَ مَا کَانَ مِنَ المُشرِکِینَ۔ [النحل۔ ۱۶:۱۲۳]

”پھر ہم نے تمھیں وحی کی کہ ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو بالکل یک سو تھا اور مشرکوں میں سے نہیں تھا“۔

سُنت دین ابراہیمی کی تجدیدی روایت:

اس ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے، وہ یہ ہے:

عبادات: [۱] نماز۔[۲] زکوٰۃ اور صدقۂ فطر۔[۳] روزہ و اعتکاف۔[۴] حج و عمرہ۔[۵] قربانی اور ایام تشریق کی تکبیریں۔

معاشرت: [۱] نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات۔[۲] حیض و نفاس میں زن و شو کے تعلق سے اجتناب۔

خور و نوش: [۱] سؤر، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کئے گئے جانور کی حرمت۔[۲] اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیہ۔

رسوم و آداب:

۱۔اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔[۲] ملاقات کے موقع پر ''السلام علیکم'' اور اس کا جواب۔[۳] چھینک آنے پر ''الحمدللہ'' اور اس کے جواب میں ''یرحمک اللہ''۔[۴] نومولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت۔[۵] مونچھیں پست رکھنا۔[۶] زیر ناف کے بال کاٹنا۔[۷] بغل کے بال صاف کرنا۔[۸] بڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔[۹] لڑکوں کا ختنہ کرنا [لڑکیوں کا ختنہ منسوخ ہو گیا]۔[۱۰] ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔[۱۱] استنجا۔[۱۲] حیض و نفاس کے بعد غسل۔[۱۳] غسل جنابت۔[۱۴] میت کا غسل۔[۱۵] تجہیز و تکفین۔[۱۶] تدفین۔[۱۷] عید الفطر۔[۱۸] عید الاضحیٰ۔ [عیدین رسوم ہو گئیں پہلے عبادات تھیں۔ پہلے سنتیں ۴۰ تھیں اب ۲۷ رہ گئیں، ساحل۔]

سُنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں مسلمانوں کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے، لہٰذا اس کے بارے میں اب کسی بحث و نزاع کے لیے کوئی گنجایش نہیں ہے۔[۲۰۰۵ء]

[غامدی صاحب کا سنتوں کے بارے میں متضاد، متنوع اور رنگا رنگ موقف ان کی کتابوں میزان ۱۹۸۴ء، میزان ۲۰۰۲ء، اصول و مبادی ۲۰۰۵ء، برہان، محاضرات ۱۹۹۸ء کراچی، تین سو مختلف خطبات، تقاریر، آڈیو ویڈیو کیسٹ اور غامدی صاحب کی متفرق و منتشر تحریروں سے مرتب کیا گیا ہے۔ سُنت کی تعریف، توضیح اور سنتوں کے تعین میں غامدی صاحب نے گزشتہ ۱۵ برس کے دوران جو رنگ بدلے ہیں اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سُنت دین کا ماخذ نہیں ہے بلکہ چیستان ہے اور غامدی صاحب پندرہ سو برس کے دینی ادب کے مطالعے کے بعد بھی سُنت کا درست تعین کرنے سے قاصر اور عاجز ہیں، ساحل]